© rasailojaraid.com

حکیم عبد الرحمٰن خلیق

عمرو بن العاصؓ

روایت کا یہ حصہ واضح طور پر حضرت علیؓ کے ساتھیوں کی نافرمانیوں، بغاوت آثار سرکشیوں اور اطاعت امیر سے سنگدلانہ انحراف کی افسوسناک داستان پر مشتمل ہے اور یہ ساتھی وہی ہیں جو حضرت علیؓ کو امام حق سمجھ کر ان کے ہاتھ پر موت کی بیعت کر کے نکلے تھے جو علی کی خلافت کو خلافتِ رسالت اور خود علیؓ کو خلیفۂ رسول سمجھتے تھے اور جن کے نزدیک علی ویسے ہی خلیفۂ رسول تھے جیسے ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ تھے۔ اور ان کی خلافت ایسے ہی خلافتِ حقہ تھی جیسے ان تینوں کی خلافت مگر وہ آج عین اس مرحلہ پر جب اس خلیفۂ برحق کو ان کی طرف سے مخلصانہ اعانت اور جاں نثارانہ تعاون کی ضرورت تھی بیچ میدان منہ موڑ گئے۔ امام کے حکم سے برملا سرتابی کی اور امیر کی اطاعت سے انکار کر دیا اور اپنے امام برحق کو مجبور کر دیا کہ وہ ان کے کہے اور کیے پر چپ چاپ دستخط کر دیں۔ پھر یہ روایت خود حضرت علیؓ سے بھی انصاف نہیں کرتی۔ کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نسبت یہ قرار دے لینا انتہائی بے انصافی اور خلاف واقعہ بات ہے کہ وہ اپنی تمام تر جنگی اور فوجی صلاحیتوں کو کفر و شرک کے مقابلہ سے ہٹا کر اس امیر پر مرکوز کر دینے پر بضد تھے کہ وہ غلبہ حاصل کرنے کے لیے بہرحال قتل و خون کی راہ پر ہی گامزن رہیں گے اور انہیں فتح حاصل کرنے اور اپنی سیادت و قیادت کو قائم رکھنے کے لیے خواہ پوری امت کا خون بہا دینا پڑے وہ اس پر آمادہ ہیں۔ اور اصلاحِ احوال کے لیے کسی متبادل تجویز پر غور کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں ہیں جبکہ ان کے لشکری ان کے مقابلے میں امن و سلامتی کی تلاش میں زیادہ صالح فکر و نظر کے حامل ہیں اور وہ اصلاحِ احوال کے لیے جنگ و پیکار اور قتل و خون سے ہٹ کر بعض دوسری آبرومندانہ اور لائق اعتنا متبادل تجاویز پر بھی غور کرنے پر آمادہ ہیں۔

غور فرمائیے راوی کی کوتاہ اندیشی اور اختراعی نابصیری نے حمایت علیؓ کے جوش میں عمروؓ اور معاویہؓ کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثقاہت کو زخمی کرتے کرتے خود اپنے ممدوح اور ان کے ساتھیوں کی عظمت کو ہی ابتلاء میں ڈال دیا۔

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

یعنی روایت نے ایک طرف تو حضرت علیؓ کو فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ کا منکر ثابت کیا جو صلح کے مقابلہ میں فساد جاری رکھنے پر بضد ہیں اور اپنی فتح کے لیے اپنے ہی بھائیوں کے خون میں ہاتھ رنگنے پر بے حد دلیر ہیں دوسری طرف یہ ان کے پورے لشکر کو اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی نص کا مخالف اور باغی قرار دیتی ہے اور پھر یہ اولی الامر بھی کوئی عام حاکم نہیں بلکہ خلیفۂ رسولؐ ہے جو راشد حاکم ہونے کی وجہ سے دوسرے حکام امت کے مقابلہ میں نہ صرف لائق ترجیح ہے بلکہ معروف میں اس کی اطاعت خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے بعد وجوب کا درجہ رکھتی ہے۔

چال بازی یا احسان عظیم

آئیے اب نفس تدبیر کی نسبت بھی غور کرلیں کہ فی نفسہٖ اس کی اپنی حیثیت کیا ہے اور اس سلسلہ میں سب سے قبل آپ کو یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ عالم اسلام کی بدقسمتی سے حالات نے مسلمانوں کو اس مرحلہ پر دو بڑے دھڑوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور یہ امر خواہ کس درجہ بھی تکلیف دہ کیوں نہ ہو۔ بہرحال تاریخ کا ایک واقعہ ہے۔

ان دو دھڑوں میں سے ایک کی قیادت حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرما رہے تھے اور دوسرا دھڑا حضرت امیر معاویہؓ کی قیادت میں جمع تھا۔

اور یہ امر بھی ایک حقیقت ثابتہ ہی ہے کہ یہ دونوں دھڑے بوجوہ نہ صرف ایک نہ ہو سکے تھے بلکہ اپنی جگہ پُرامن بھی نہ رہ سکے اور حالات نے کچھ ایسی کروٹ لی کہ دونوں کے اختلافات کا فیصلہ کرنے کے لیے تلوار کو دخل دینا پڑا۔ اب یہ تلوار خواہ علیؓ کے کسی ہمراہی کے قبضہ میں تھی یا اسے معاویہؓ کے کسی سپاہی نے اپنی گردن میں حمائل کر رکھا ہو۔

جب بھی گرتی تھی تو کسی مسلمان کی گردن پر ہی گرتی تھی، لہراتی تھی تو مسلمان کے سر پر ہی لہراتی تھی، کاٹتی تھی تو مسلمان کی گردن ہی کاٹتی تھی۔ خاک و خون میں لوٹنے والا خواہ علیؓ کا لشکری تھا یا معاویہؓ کا سپاہی تھا دونوں ہی مسلمان تھے یعنی کاٹنے والا بھی مسلمان تھا اور کٹنے والا بھی اسی درجہ کا مومن قانت تھا۔ قاتل بھی توحید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسالت کا پروانہ تھا اور مقتول بھی اسی حقیقت پر ایمان رکھنے والا۔ ایسے میں ایک آدمی کو ایک کامیاب تجویز سوجھتی ہے اور پھر جب اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے تو تلواریں جہاں تھیں، وہیں رک جاتی ہیں۔ ان کی دھار کُند ہو جاتی ہے۔ ان کی کاٹ اپنا غصہ تھوک دیتی ہے۔ ان کی جھنکار بند ہو جاتی ہے اور ران کا خروش تھم جاتا ہے۔ دل بدل جاتے ہیں، دماغ بدل جاتے ہیں۔ فکر کی راہیں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ جوش ہوش میں بدل جاتا ہے اور خون خون پکارنے والے قرآن قرآن پکارنے لگتے ہیں۔ روٹھے ہوؤں پر گلے ملنے کی راہیں کھل جاتی ہیں اور بھائیوں کے بھائی بن جانے کی سبیل نکل آتی ہے۔

کیا یہ سب کچھ آپ کے نزدیک غیر مناسب اور نا روا ہے؟

ناپسندیدہ ہے؟

اسلام اور اہل اسلام کے بہترین مفاد کے منافی ہے؟

آخر آپ کو اس تدبیر میں فریب کیا نظر آتا ہے؟

اس میں کون سی مکاری پنہاں ہے؟

اس میں کہاں کہاں دھوکے کے اجزاء چھپے پڑے ہیں؟

اس بات کو چھوڑیئے کہ اس تدبیر کے نتیجہ میں آپ کی گروہی عصبیت کے لیے اطمینان خاطر کا سامان موجود نہیں ہے مگر اس امر سے تو آپ کو بھی مجال انکار نہ ہوگی کہ آپ خواہ خوش ہوں یا ناخوش اس تدبیر کے نتیجہ میں مسلمانوں کا باہمی کشت و خون فوراً رک گیا اور وہ ایک دوسرے کے مرجانے کی بجائے زندہ رہنے کی راہیں نکالنے لگے۔ نیز اس مرحلے پر آپ کے پاس اس بات کا کیا جواب کہ عمرو بن العاص نے اگر مشکل حالات سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اس تدبیر کا افسوں پھونکا تھا تو اس میں برائی کا پہلو کونسا ہے؟ کیا یہ امر واضح نہیں کہ عمروؓ اور علیؓ حریفوں کے بطور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے صف بندی کر رکھی تھی۔ آخر عمروؓ اس لیے تو نہیں لڑ رہے تھے کہ علیؓ کے ہاتھوں جلد شکست کھائیں اور میدان علیؓ کے ہاتھ دے دیں۔ علیؓ کی خلافت پر اجماع ان کے نزدیک ابھی معتبر نہ تھا اور فی الواقعہ بھی جن حالات میں حضرت علیؓ کی خلافت کا انعقاد عمل میں آیا تھا۔ ابھی اس معاملہ پر بحث کی کافی گنجائش تھی۔ بنا بریں وہ اپنے کو اس لڑائی میں خلیفۂ رسولؐ کا حریف بھی نہیں سمجھتے تھے۔ اس حال میں انہیں جنگ جیتنے کے لیے ہر وہ حق حاصل تھا جو حضرت علیؓ کو دیا جا سکتا ہے۔ پس اگر وہ کوئی جنگی تدبیر بروئے کار لاتے ہیں جس کی وجہ سے انھوں نے اپنے حریف کو مات دیدی تو یہ جنگ بہرحال ایک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوسرے کو مات دینے کے لیے ہی لڑی جارہی تھی۔ مگر کیا یہ تدبیر اس اعتبار سے ایک مبارک تدبیر نہیں کہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کو بے مقدار اتلاف جان سے بچا لیا گیا۔

اور اگر آپ کو کوئی بات فرض ہی کرنی ہے تو ہم یہ کیوں نہ فرض کرلیں کہ اس مرحلہ پر جب مسلمانوں کے ہاتھوں خود مسلمانوں ہی کے خون کی ہولی بے دریغ کھیلی جارہی تھی تو عمرو اس سفاکی کی تاب نہ لا سکے۔ وہ مسلمانوں کے خون کے اس بے مقدار ضیاع پر چیخ اٹھے اور قرآن قرآن پکارتے آگے بڑھے۔ سینے میں درد تھا۔ نیت میں اخلاص تھا ارادوں میں نیکی تھی۔ پس ان کی یہ چیخ بیکار نہ گئی لوگوں نے اسے دل کے کانوں سے سنا اور پورے اخلاص سے اطاعت کی گردنیں جھکا دیں۔

آپ عمرو رضی اللہ عنہ کی نیت پر شک کرنے کی بجائے یہ کیوں نہ قرار دیں کہ یہ تدبیر عمرو رضی اللہ عنہ کی نیک دلی اور مسلمان دوستی کا ایسا شاہکار ہے جس نے مسلمانوں کو دوبارہ حیات بخشی اور اگر وہ یہ کارنامہ سرانجام نہ دیتے تو نہ جانے عالم اسلام کی بدنصیبی تاریخ کے کتنے صفحے خون بے گناہی کے رنگین کرتی اور اس اعتبار سے اگر ہم یہ کہیں کہ عمرو رضی اللہ عنہ کی یہ تدبیر عالم اسلام پر ایک عظیم احسان ہے تو یہ بات غلط نہ ہوگی۔

اصل بات

روایت کی افسانوی حیثیت سے محل نظر بات صرف اتنی ہے کہ یہ جنگ اس بات پر ختم کردی گئی تھی کہ فریقین اپنے نزاعی امور میں قرآن پاک کا فیصلہ تسلیم کرتے ہیں اور اس غرض سے صرف اتنا ہی مان لینا کافی ہے کہ عمرو بن العاص کی یہ تجویز علی کے سامنے پیش کی گئی۔ انہوں نے اسے جنگی چال سمجھا اور جنگ جاری رکھنے کا خیال ظاہر فرمایا۔ کچھ دوسرے لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف رائے دی اور بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کی رائے سے اتفاق کرلیا اور فریقین کے اتفاق سے یہ تجویز جنگ بندی کی بنیاد کار قرار دے دی گئی۔ اس پر جنگ بند ہوگئی اور مسلمان اہل فکر و نظر ٹھنڈے دل و دماغ سے اگلے مراحل کو طے کرنے کی سوچ کو اپنانے کے قابل ہوگئے۔

اب رہی یہ بات کہ یہ تجویز دوسروں تک کیونکر پہنچی۔ اس سلسلہ کی اکثر روایات بے سروپا اور افسانوی صورت کی حامل ہیں۔

سیدھی بات ہے کہ فریقین جنگ کا عین دوران جنگ میں بھی باہمدگر رابطہ ناقابل فہم نہیں ہے۔ سفراء اور پیغام رسانوں کا وجود جنگ اور امن کی [illegible] ضرورت سے پہلے کسی زمانہ میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی انکار نہیں کیا گیا۔ یہ سفراء جب بھی موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں۔ حکومتیں اس رابطہ کا بے حد احترام کرتی ہیں اور یہ احترام ہمیشہ سے قائم ہے۔ یہ رابطہ علیؓ اور معاویہؓ کے درمیان بھی موجود تھا اور فریقین اپنے اپنے موقف کے حق میں پیغامات کا تبادلہ اکثر کرتے تھے۔ معاویہؓ کے پیغامات علیؓ کو برابر پہنچتے تھے اور اسی سطح پر حضرت علیؓ کے پیغامات معاویہؓ تک پہنچائے جاتے تھے اور جب یہ ایک معقول ذریعہ افہام و تفہیم اور پیغام رسانی قائم تھا تو کیا ضرار تھا کہ صد ہا قرآن کریم کے نسخے جمع کرنے کا تکلف کیا جاتا اور یہ بات کیونکر مناسب ہے کہ ایک ایسے افسانے کو نہاد ایمان بنا لیا جائے جس کی وجہ سے ایک طرف عمروؓ کی اس نیک دلی، اخلاص مندی اور اسلام دوستی کو اس کا فریب ظاہر کیا جائے اور دوسری طرف علیؓ کو اپنی ذات کے لیے جنگ خواہ اور مسلمانوں کے قتل و خون پر دلیر بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے لشکریوں کی بے وفائی، بدعہدی اور غداری کے افسانے بھی تشکیل ہیں۔

اور یہ کوئی قیاس آرائی نہیں بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ باہمی افہام و تفہیم کے لیے یہاں سفراء کو ہی ذریعہ بنایا گیا تھا۔ تاریخ یہ بتاتی ہے کہ اہل شام نے حضرت علیؓ کے عراقی حامیوں کے سامنے دلیل کا یہ اسلوب اختیار کیا کہ دیکھو اگر تم ہمارے ہاتھوں سے مارے گئے تو بتاؤ پھر فارس کی سرحدات کی نگرانی کون کرے گا اور اگر تم نے ہمیں ختم کر دیا تو روم کی سرحد پہ کون روک بنے گا۔ بنابریں مناسب یہی ہے کہ ہم مل کر اپنے جھگڑے کا فیصلہ قرآن پاک سے طلب کریں۔ اب ظاہر ہے کہ وہ لوگ پہلو بہ پہلو نہیں کھڑے تھے کہ ایک دوسرے سے حسب منشاء تبادلہ خیالات کر سکیں۔ وہ باقاعدہ مورچہ بند تھے اور تیغ زنی کی ساعتوں کے بغیر اپنی انفرادی حیثیت میں ایک دوسرے سے ملاقات کے لیے آزاد نہیں تھے۔ پھر یہ بھی ممکن نہیں کہ عام سپاہی اپنی ذاتی حیثیت میں ایک دوسرے کے سامنے ایسی تجاویز رکھ سکیں جو حالات جنگ سے تعلق رکھتی ہوں۔ یہ ایک مدلل گفتگو ہے۔ روایت کے بموجب نیزوں پر بند ہے۔ قرآن کریم کا خاموش مظاہرہ ایسا نہیں جسے سمجھانے کے لیے کسی ترجمان کی حاجت ہو۔ بات دل لگتی تھی۔ عراقیوں کے دل میں اتر گئی تاخر وہ سب لوگ خائن اور بدنیت نہیں تھے وہ اس جنگ میں کسی ذاتی لالچ سے شریک نہیں ہوئے تھے۔ وہ اکثر پوری اخلاص مندی سے حق کو نافذ کرنا چاہتے تھے اور ان کی لڑائی یکسر حق کے لیے ہی تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ ہر فریق اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا اور اپنے ہی موقف کو حق قرار دے کر اسے نافذ کرنا چاہتا تھا۔ اب جب حق کو دریافت کرنے کے لیے قرآن کریم [illegible] سامنے گردنیں جھکا دیں اور

(بقیہ بر صفحہ ۱۵)

© rasailojaraid.com